ڈاکٹر مبارک علی

برصغیر پاک و ہند میں تمباکو نوشی

ابتدا ہی سے انسان کی یہ فطرت رہی ہے کہ وہ آرام کے لمحوں میں یا ذہنی پریشانی کے عالم میں یا تنہائی میں کسی نشہ آور چیز کے کھانے کا عادی رہا ہے۔ وہ اکثر ایسی اشیا کا بھی عادی رہا ہے جو نشہ آور تو نہیں ہیں لیکن اسے ایک قسم کا سرور، اطمینان اور تسلی دیتی ہیں۔ ایسی اشیا میں تمباکو کا استعمال قابلِ ذکر ہے جو اپنی دریافت کے فوراً بعد بہت جلد دنیا میں مقبول ہو گیا اور دوسری اشیا کے مقابلے میں اس نے زیادہ مقبولیت حاصل کر لی[۱]۔ تمباکو کا استعمال سب سے پہلے اہلِ سپین نے ۱۴۹۲ء میں کیوبا کے مقامی باشندوں سے سیکھا اور پھر اسے اہلِ یورپ سے روشناس کرایا۔ یورپ کے بعد یہ ترکی، مصر اور ہندوستان میں آیا اور بہت جلد یہاں کے لوگوں میں استعمال کیا جانے لگا۔

ہندوستان میں تمباکو لانے کا کام پرتگیزیوں نے کیا جو اسے اپنے ساتھ جنوبی ہندوستان میں لائے۔ وہاں سے اکبر کے زمانے میں یہ شمالی ہندوستان میں آیا۔ اکبر نے اپنے ایک ملازم اسد بیگ کو جنوبی ہندوستان کی ریاستوں میں بحیثیت سفیر کے بھیجا تھا۔ اس نے جب وہاں اوّل اوّل تمباکو کو دیکھا تو اس خیال سے کہ اکبر کو نادر اور عجیب و غریب اشیا سے دلچسپی ہے، اسے ۵-۱۶۰۴ء میں اپنے ساتھ لایا، اپنی کتاب "حالات اسد بیگ" میں اس نے اس کی انتہائی دلچسپ تفصیل لکھی ہے کہ اس نے اکبر کی خدمت میں تمباکو پیش کرنے کی غرض سے ایک خوبصورت حقہ تیار کرایا، اسے ہیرے اور جواہرات سے مزین کرایا، سونے کی چلم بنوائی اور تمباکو کو چاندی کی طشتری میں رکھ کر اکبر کے سامنے پیش کیا۔ اکبر نے تمباکو کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس پر مرزا عزیز کوکہ خانِ اعظم نے جواب دیا کہ یہ تمباکو ہے جو مکہ اور مدینہ میں بہت مقبول ہے۔

---

[۱] F. W. Fairholt: Tobacco, its history and association London 1875- repr. Detroit 1968.

اکبر نے بطور تجسس حکم دیا کہ اس کے لیے حقہ تیار کیا جائے، جب حقہ تیار ہوا تو اکبر نے اسے پینا شروع کر دیا، اس پر دربار کے حکیم نے اسے منع کیا، لیکن بادشاہ نے اسد بیگ کی دل جوئی کی خاطر چند کش لیے اور منہ سے دھواں بھی نکالا۔ اس کے بعد اس نے خانِ اعظم کو حکم دیا کہ وہ بھی پیئے، شاہی حکم پر اس نے بھی دو تین کش لیے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک جڑی بوٹی ڈالے کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس میں کیا خصوصیات ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی کتابوں میں اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، کیوں کہ یہ ایک نئی چیز ہے مگر اس پر اہلِ یورپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس پر دربار کے ایک حکیم نے کہا کہ یہ ایک ایسی دوا ہے جس کو استعمال ہی نہیں کیا گیا، لہٰذا ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، لیکن بادشاہ کو یہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسد بیگ نے حکیم کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ یورپ کے لوگ کوئی بے وقوف نہیں ہیں، ان میں عقل مند لوگ ہیں جو مشکل سے کوئی غلطی کرتے ہیں، لہٰذا تم کیوں کر ایک ایسی چیز کے متعلق جسے تم نے استعمال ہی نہیں کیا ہے، کوئی فیصلہ دے سکتے ہو؟ اس پر حکیم نے کہا کہ ہم یورپی اقوام کی روایات کی پابندی کرنا نہیں چاہتے جب تک کہ ہمارے عقل مند لوگوں کی طرف سے ان کی منظوری نہیں حاصل ہو جاتی۔ اسد بیگ نے اس کے جواب میں کہا کہ دنیا کی ہر روایت کسی نہ کسی وقت نئی اور جدید رہی ہے اور جب یہی چیز لوگوں میں آئی تو انھوں نے آہستہ آہستہ اسے اختیار کر لیا، لہٰذا حکیموں کو چیزوں کے بارے میں ان کے اچھے یا بُرے ہونے کی بنا پر تسلیم کرنا چاہیے۔ اکبر نے یہ گفتگو خاموشی سے سنی اور پھر خانِ اعظم سے مخاطب ہو کر کہا کہ اسد بیگ نے بڑی عقل مندی کی بات کہی ہے۔ پھر بادشاہ نے دربار میں دوسروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ہمیں ان باتوں سے جو دوسری قوموں کے عقل مندوں نے اختیار کی ہیں، صرف اس بنا پر انکار نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ہماری کتابوں میں نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم ترقی کیسے کریں گے؟"

اسد بیگ تمباکو اور پائپ کافی مقدار میں اپنے ساتھ لایا تھا جسے اس نے امرا میں تقسیم کیا۔ یہاں سے شمالی ہندوستان، اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تمباکو نوشی کی ابتدا ہوئی، بعد میں تاجروں نے اسے ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا دیا، یہاں تک کہ اس کا رواج پڑ گیا۔ اکبر نے بہرحال اس کے بعد کبھی حقہ نہیں پیا۔[۲]

۲۔ Elliot & Dowson: History of Hindustan as told by its own

مآثر رحیمی کے مصنف نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تمباکو ابتدا میں دکن سے اکبر کے دربار میں آیا۔[3] تمباکو اگرچہ اکبر کے عہد میں دربار میں آیا لیکن آتے ہی بہت جلد امراء اور عوام میں مقبول ہو گیا۔ یہاں تک کہ جہاں گیر کے عہد (۱۶۱۷) میں اس پر پابندی لگا دی گئی۔ اس پابندی کا ذکر کرتے ہوئے جہاں گیر توزک میں لکھتا ہے کہ "تمباکو کے مضر اثرات کی وجہ سے جو اکثر مزاجوں اور طبیعتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، میں نے اپنے حدود سلطنت میں حکم دیا کہ کوئی شخص تمباکو کو استعمال نہ کرے گا"[4]

ایران کے حکمران شاہ عباس نے بھی ایران میں تمباکو کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ خان عالم جو ایران میں جہاں گیر کا سفیر ہو کر گیا، تمباکو کا عادی تھا، جب اس کی اطلاع شاہ عباس کو ہوئی تو اس نے اسے یہ شعر لکھ کر بھیجا:

رسول یار می خواہد کند اظہار تنباکو　　　من از شمع وفا روشن کنم بازار تنباکو

اس کے جواب میں خانِ عالم نے یہ شعر لکھ بھیجا:

من از بیچارہ بودم از اظہار تنباکو　　　ز لطف شاہ عادل گرم شد بازار تنباکو[5]

دلچسپ چیز یہ ہے کہ جیمس اوّل بادشاہ انگلستان جو جہاں گیر کا ہم عصر تھا، اس نے بھی اُسے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اسی عہد میں عثمانی سلطنت میں سلطان مراد (۱۶۲۳ - ۱۶۴۰) نے بھی تمباکو کے خلاف سخت اقدامات کیے اور اس کے استعمال کرنے والوں کے لیے سزائے موت رکھی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جہاں گیر کے حکم کی کچھ عرصہ سختی سے پابندی ہوئی لیکن سیر المتاخرین اور خلاصۃ التواریخ میں یہ غلط لکھا ہے کہ جہاں گیر حقہ پینے والوں کے ہونٹ کٹوا دیتا تھا۔

طامس رو جو ۱۶۱۵ سے ۱۶۱۸ تک مغل دربار میں رہا، تمباکو پر پابندی کے بعد اُسے تمباکو کے حصول میں سخت دشواری پیش آئی۔ لہٰذا اس نے انگلستان میں اپنے دوست پیپ ویل

---

۳ عبد الباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، کلکتہ، ۱۹۱۰-۳۱ - جلد اوّل، ص ۹۲۶

۴ جہاں گیر۔ توزکِ جہاں گیری (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۶۸ء، جلد اوّل، ص ۵۷۷

۵ ایضاً۔ ص ۷۸ - ۵۷۷

Accession Number. 84680
Date 26.6.82

(Pepwel) کو لکھا کہ اسے چار یا پانچ پاؤنڈ تمباکو بھیجے بتہ

شاہ جہاں کے عہد میں پابندیوں کے باوجود تمباکو کے استعمال میں اضافہ ہو چکا تھا اور ہر طبقے میں اسے پیا جانے لگا تھا۔ مشہور جرمن سیاح مانڈ لسلو (Mandelslo) جب شاہ جہاں کے عہد میں ہندو آیا تو اس نے یہ مشاہدہ کیا کہ حقہ امرا اور عوام دونوں میں مقبول ہو چکا ہے۔ جب وہ گجرات کے حاکم اعظم خاں سے احمد آباد میں ملا تو اس نے دیکھا کہ ایک ملازم ہاتھ میں حقہ لیے کھڑا ہے۔ گورنر کا بھی کرتا جاتا ہے اور حقہ بھی پیتا جاتا ہے بکے

تمباکو کے استعمال کے ساتھ ہندوستان میں اس کی کاشت بڑھ گئی اور اس کی مختلف اقسام ہندوستان میں پیدا ہونے لگیں۔ برطانوی سیاح ایڈورڈ ٹیری نے (Terry) جو ہندوستان ۱۶۱۶ء سے ۱۶۱۹ء تک رہا اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہاں بکثرت تمباکو ہوتا ہے لیکن اہل ہندوستان اسے تیز بنانا نہیں جانتے ہے انگلش فیکٹری ریکارڈ میں بھی اس بات کی تصدیق کی گئی کہ ۱۶۶۳ء تک تمباکو کی کاشت بہت ہونے لگی تھی لہ ٹاورنیر (Tavernier) نے دکن کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں تمباکو کثرت سے پیدا ہوتا ہے لیکن لوگ اس کی پروا نہیں کرتے اور آدھی کے قریب فصل ضائع ہو جاتی ہے شلہ

سترھویں صدی کے نصف آخر کے مورخ سجان رائے بٹالوی نے اپنی کتاب " خلاصۃ التواریخ

---

۲. Thomas Roe: The Embassy of Sir Thomas Roe to the Court of the Great Moghul (1615-1619) London 1899 - Repr. 1926, p 3H ...

۳. M.S. Commissariat: Mandelslo's Travels in western India. Oxford 1931, p. 34.

۴. William Foster: Early Travels in India (1583-1619) London 1921 - Repr. Lahore 1978, p 299.

۵. Idem: English Factories in India. Oxford, 1923, p 163.

۶. J.B. Tavernier: Travels in India. London 1925, p ii, p 22.

میں تمباکو نوشی کے بارے میں دلچسپ انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کے بارے میں کہتا ہے کہ:

"امیر، وزیر، غریب فقیر، درویش، علما و فضلا، خرد و کلاں، رذیل و شریف سب کے سب دھواں اُڑانے کے شائق ہوگئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام نشوں بلکہ کھانے پر مقدم قرار پایا ... دوسروں کی جوٹھی چیز کو منہ لگانے سے ہر شخص کراہت کرتا ہے مگر جھوٹا حقہ یا چلم پینے سے کسی کو عار نہیں"۱۱؎

اس کے بعد اس نے شاعرانہ انداز میں تمباکو کے فوائد بیان کیے ہیں:

"انسان کا مصاحب اور سفر حضر میں اچھا ہمدم و ہمراز ہے۔ گوشہ گیر درویشوں کی کوٹھری سے لے کر اقبال مند امیروں کی محفلوں تک ہر جگہ اس کا گزر ہے، ایسا معشوق ہے کہ اس کا دھواں انسان کے دل کو اسیر کرنے میں گیسوئے محبوب سے زیادہ ہے۔ آگ کو دیکھ کر شائقین کے دلوں میں شمع تمنا روشن ہو جاتی ہے۔ حقہ نہیں کوئی عاشق ہے جو پری پیکروں کے لبوں کو چومتا اور ماہ جبینوں کے ہونٹوں کا رس چوستا ہے، پیچوان کو بلبل ہزار داستان کہتے ہیں کہ جس کی آواز مشتاقوں کو نغمہ و سرود سے بہتر معلوم ہوتی ہے، حقے کو بادشاہ سمجھیے کہ چلم کا تاج رکھے۔ نے کا جھنڈا اٹھائے گڑگڑاہٹ سے اپنی جہاں گیری کا نقارہ بجا رہا ہے"۱۲؎

لیکن اس کے فوراً بعد اس کے نقصان بیان کرتا ہے:

"یہ کالی بلا (تمباکو) سب نشوں سے بدتر اور تضییع اوقات کا موجب ہے۔ زبان کو ذکر خدا سے اور منہ کو یاد الٰہی سے روکنے میں قفل کا کام کرتا ہے، بوالہوس، شراب خور، ٹھرے باز البتہ اسے دوست رکھتے ہیں، ورنہ نیک ذات، خوش صفات اہل دل اس کے پاس تک نہیں پھٹکتے ... اس کے استعمال سے چہرہ بونق، رنگت سیاہ ہو جاتی ہے"۱۳؎

تمباکو نوشی کی مذہبی مخالفت بھی ہوئی، اس کے خلاف فتوے بھی جاری کیے گئے، لیکن اس کے باوجود اس کا استعمال بڑھتا گیا اور حقے نے بہت جلد ہندوستانی ثقافت میں انتہائی اہم مقام حاصل کر لیا۔ اس کے استعمال میں طبقاتی تخصیص قائم ہوتی چلی گئی، حقہ اور اس کے لوازم میں

۱۱؎ سجان رائے بٹالوی: خلاصۃ التواریخ (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۵۸۴

۱۲؎ ایضاً۔ ص ۸۵-۵۸۴

۱۳؎ صباح الدین عبدالرحمن۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، اعظم گڑھ ۱۹۶۳ء، ص ۱۸۰

اضافہ ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ امرا کے حقے خوب صورتی، زیب و زینت اور آرائش میں عوام کے حقوں سے بڑھتے گئے۔ امرا کے حقے کو چاندی یا گنگا جمنی طشت میں رکھا جاتا تھا، جس میں گلاب کا پانی بھرا ہوتا تھا، اسے فرشی بھی کہتے تھے، حقے میں نے لگائی جاتی اور اس کے اوپر چلم رکھی جاتی، چلم کو سرپوش سے ڈھکا جاتا تھا جو "چنبر" بھی کہلاتا تھا۔ منہلالی وہ چیز تھی جس کو لبوں سے لگا کر حقہ پیا جاتا تھا، حقے کو خس سے بھی ٹھنڈا کرتے تھے اور اسے عطر میں بھی بسایا جاتا تھا اسی طرح تمباکو مختلف انداز میں خوشبوؤں میں بسایا جاتا تھا۔

آخری عہد مغلیہ میں حقہ بادشاہ کے دربار میں جگہ پا چکا تھا۔ محمد شاہ کے دربار میں پیچوان کا رواج ہوا۔ جب بادشاہ تختِ رواں پر سیر کے لیے جاتا تو حقہ بردار ساتھ ہوتا، ابتدا میں پیچوان دربار میں صرف بادشاہ کے سامنے لگتا تھا لیکن بعد میں درجہ اول کے امرا کو دربار میں اس کی اجازت مل جاتی تھی کہ وہ حقہ پئیں۔

مغلیہ دور میں حقہ اور تمباکو نوشی کے انتظامات کی غرض سے ایک علیحدہ محکمہ قائم ہوا جو بھنڈار خانہ کہلاتا تھا اور حقہ پلانے والے ملازم کو بھنڈار بردار کے نام سے پکارا جاتا تھا، بزمِ آخر کے مصنف نے آخری دو مغل بادشاہوں کے دربار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں ان کے حقے کی عادت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ صبح کے وقت جب بادشاہ حقہ پیتے تھے تو:

"بھنڈے خانہ والیوں نے بھنڈہ تازہ تیار کر کار چوبی، زیرانداز بچھا چاندی کے تامش میں لگا دیا۔ کٹوز تیار کر کے بھنڈے پر رکھ دی، بادشاہ نے بھنڈا نوش کیا۔"[۱۴]

جب ابتدا میں انگریز ہندوستان میں آئے تو انھوں نے جہاں ہندوستان کی دوسری روایات کو اختیار کیا وہاں حقہ پینے کی عادت بھی ان میں پڑ گئی۔ انگریز گھروں میں حقے کی دیکھ بھال کے لیے ایک ملازم ہوتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ وہ حقے کی نے کو جو سونے کی بنی ہوتی تھی صاف ستھرا اور چمکا کر رکھے، کوئلے سلگائے اور گلاب کا پانی تبدیل کرے۔ یہ اپنے آقا کے ساتھ ہر دعوت میں جاتا تھا اور کھانے کے بعد تمام ملازمین خاموشی سے حقے لے کر کمرے میں آتے اور اپنے اپنے

---

۱۴ منشی فیض الدین ـــ بزمِ آخر ـــ لاہور ۱۹۶۳ء ـ ص ۱۴

کے پاس حقہ تھام کر کھڑے ہو جاتے، بعد کے زمانے میں خواتین نے بھی حقہ پینا شروع کر دیا تھا اور اگر وہ کسی مرد کو نے پیش کرتیں تو یہ اس کے لیے بڑا اعزاز ہوتا تھا[۱۵]

ہندوستان کی ریاستوں میں بھی حقہ شانِ امتیاز بن گیا، مثلاً اودھ کے دربار میں اسے کوئی بھی بادشاہ کی موجودگی میں نہیں پی سکتا تھا جب تک کہ اسے اس کی اجازت نہ ملے۔ بادشاہ کی موجودگی میں حقہ پینے کا امتیاز گورنر جنرل، کمانڈر ان چیف، ریذیڈنٹ اور کلکتہ کے بشپ کو تھا۔ اس اعزاز کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں تک ہوتا تھا کہ اگر کوئی گورنر جنرل یا ریذیڈنٹ حقے کا عادی نہ ہوتا تھا تو اس کے لیے بغیر تمباکو اور بغیر آگ کے حقہ لایا جاتا اور وہ اس کی نے کو محض منہ میں رکھ کر اپنے اعزاز کا اظہار کرتا تھا[۱۶] ۱۸۴۰ء تک انگریز سوسائٹی میں حقہ عام رہا، بعض انگریز تو اس کے اس قدر عادی ہوئے کہ اس کو اپنے ساتھ انگلستان تک لے گئے لیکن اس کے بعد اس کا استعمال کم ہوتا چلا گیا۔

امرا کے طبقے کے ساتھ ساتھ حقہ عوام میں بھی بہت جلد مقبول ہو گیا اور ان کی محفلوں اور مجلسوں میں جب حقہ گردش کرتا اور محفل کا ہر شخص باری باری حقے کا کش لگاتا تو یک جہتی کی بہترین مثال پیش کرتا اور جب کسی کو ذات برادری سے خارج کر کے اس کا حقہ پانی بند کر دیا جاتا تو اس کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہوتی تھی۔

۱۵ء Dennis Kincaid: British social life in India (1600 - 1937) London 1938. Repr. 1973, p 93.

۱۶ء Meer Hasan Ali (Mrs): Observations of The Mussulmauns of India. London 1832. Repr. Karachi 1937. p. 178. Fany Parks: Wanderings of a Pilgrim in search of The Picturesque. London 1850 - Repr Karachi 1957, i, p 189.

پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج

شاہد حسین رزاقی

پاکستانی معاشرے کو نئے سانچے میں ڈھالنے اور قومی ترقی کی راہ ہموار کرنے کے لیے رسوم و رواج کی اصلاح بہت ضروری ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے رسوم و رواج بڑی تفصیل سے قلم بند کیے گئے ہیں اور ان رسموں کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے جو اخلاقی اور اقتصادی لحاظ سے بہت بری اور نقصان رساں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی موجودہ رسوم میں ضروری ترمیم و اصلاح کرنے اور معیوب و مضر رسم و رواج کو بالکل ختم کر دینے کے لیے مفید اور قابلِ عمل تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب پر مصنف کو یونیسکو کا انعام ملا ہے۔

صفحات ۲۸۶ قیمت -/۱۲ روپے

عقلیاتِ ابنِ تیمیہ

مولانا محمد حنیف ندوی

غزالی کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ دوسرے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے نظامِ حیات کا اس وقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ تفسیر، حدیث، تصوف اور فقہ و اصول کی تشریح میں ہمیں کن پیمانوں سے کام لینا چاہیے۔ علامہ کی پوری زندگی الحاد و زندقہ کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے جس کامیابی و ہنرمندی کے ساتھ کتاب و سنت کے رخِ زیبا کو نکھارا ہے، بدعات کی پُرزور تردید کی ہے اور اسلام کے چہرۂ روشن سے یونانیت اور عجمیت کے دبیز نقابوں کو ہٹایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے "عقلیات" کو بہ کمال ژرف نگاہی کھنگالا ہے اور تنقید و احتساب کے بعد ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابلے میں اسلام کا عقلی موقف کہیں زیادہ صحیح، استوار اور متوازن ہے۔ اس کتاب کا موضوع ان کی یہی گراں قدر تنقیدات ہیں۔

صفحات ۳۵۹ قیمت ۳۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور